ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

اردو میں مابعد جدید افسانہ: ایک مطالعہ

A Study of Postmodernism in Urdu Short Story

1.**Aftab Ahamd**
Lecturer Urdu
Govt.Associate College 170/J.B, Jhang.
2. **Huma Nawaz,**
PhD Scholar Department of Urdu GC University Lahore
3. **Muhammad Umar,**
Lecturer Government College Gul Abad (Lower Dir)

Abstract

Among the important trends of the 20th century, modernity has a special importance. This trend of modernity has also been quite controversial. After the decline of the progressive movement, a form of modernity universal movement emerged in Urdu. It was a collective revolt against exploitation. In which access from externality to internality, from noise to silence, from the crowd to solitude. In view of "Jadeediyat aour Urdu Afsana" authored by Dr. Aslam Jamshed Puri, in which the author wrote in the 20th century. The origin of this important trend of the century, the myths created under it, and the analyzes of selected myths representing some of the negative attitudes of this trend have been presented. To clarify his point of view, the author has also recorded arguments. At the end of the book, a discussion on the topic of Urdu fiction and modernity is also included.

Key Words:

Postmodernismin, Urdu Short Story, 20th century, trend of modernity, universal movement, "Jadeediyat aour Urdu Afsana", Dr. Aslam Jamshed Puri.

۱۹۶۰ء میں جدید افسانہ نگاروں کی ایک نئی نسل سامنے آئی جس نے حقیقت نگاری سے انحراف کیا اور کہانی میں علامت ، استعارہ تمثیل ، اساطیر اور تجریدی بیانیہ کی آمیزش کر کے اردو افسانے کا افق وسیع کیا۔جدید افسانہ نگاروں نے نہ صرف کہانی کی ہیئت میں تبدیلی کی بلکہ ان کی فکری بنیادیں بھی یکسر مختلف بلکہ اردو معاشرے کے لئے کافی حد تک اجنبی تھیں۔جدید افسانے کے اس رجحان سے جہاں فائدہ ہوا و ہیں نقصان بھی ہوا۔بنیادی نقصان تو یہ ہوا کہ یہ افسانے روایتی طرز بیان سے مختلف ہونے کے سبب قاری سے ربط قائم کرنے میں ناکام رہے۔

جدید افسانے کے اس تجرباتی دور میں کردار تقریباً غائب ہی ہو گئے۔پلاٹ کی اہمیت بھی کم ہوگئی۔ افسانے میں کہانی پن/قصے کے تانے بانے واقعات کے بجائے تجربات واحساسات سے بنے گئےاورپلاٹ کی تنظیم خارجی سطح پر نہیں ، داخلی سطح پر کی گئی جسے صرف محسوس کیا جاسکتا تھا۔ تہہ داری رمز واشاریت، استعارات و تمثیلات جدید افسانے کے اہم اجزاء تھے۔ان افسانوں میں علامتیں اتنی شدید انفرادی اور اس سبب سے جسم تھیں کہ جدید افسانہ بالخصوص علامتی ، پیکری، استعاراتی اور تجریدی طرز اظہار نے قاری کو حیران کر دیا۔قاری ان سب اسالیب کی تحسین کے لئے تیار نہیں تھا۔وہ شدید ذاتی علامتوں کو سمجھ نہیں سکا۔کبھی یہ بھی ہوا کہ علامت اور تجرید کے شوق میں نئے افسانہ نگاروں نے وہ کرتب دکھانے شروع کئے جسے سمجھنا قاری کے لئے ممکن نہیں ہوا۔انھوں نے اپنے مافی الضمیر کو انتہائی ذاتی شخصی اور نئی علامات و استعارات میں اس طرح مخفی کر دیا کہ ان کے افسانوں میں ابہام پیدا ہو گیا۔اسی وجہ سے فنکار اور قاری کے ما بین ذہنی بعد ہی پیدا نہیں ہوا بلکہ ترسیل و تفہیم کے مسئلے نے قارئین کا حلقہ محدود کر دیا۔

اس صورت حال کے باوجود کچھ فنکار وہ ہیں جنھوں نے جلد ہی شدید ذاتی بیانیہ کو ترک کر کے ایک زیادہ متوازن اور واضح بیا نیہ لکھنا شروع کیا۔ان میں انتظار حسین ، خالدہ حسین اور سریندر پرکاش (بجو کا) کے نام قابل ذکر ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

تقریباً ۱۹۸۰ء کے بعد جدید علامتی افسانوں کا زور کم ہوا اور افسانوں میں کرداروں اور ان کی نفسیاتی صورت حال کے بیان کی واپسی ہوئی اور زیادہ ہموار بیانیے تشکیل دیئے جانے لگے۔تجربات اور احساسات کے ساتھ واقعات کو بھی افسانے میں جگہ ملی اور واقعات کے درمیان واضح ربط کو اہمیت دی جانے لگی۔

افسانے میں تشکیل دیئے واقعات کے متعلق یہ تصور عام ہوا کہ متن میں موجود واقعہ کا حقیقی / خارجی ہونا شرط نہیں بلکہ افسانے کا بیا نیہ خود واقعہ کو تشکیل دیتا ہے۔اس لئے متن میں بیان کردہ واقعہ خارجی صداقت کا پابند نہیں ہوتا۔مزید یہ کہ اگر واقعہ خارج میں موجود ہو تب بھی افسانے میں اس کی باز تشکیل لازماً زبان کا کارنامہ ہے۔یعنی افسانہ میں بیان کردہ واقعہ کے لئے لازم نہیں کہ وہ خارج میں وقوع کسی حقیقی واقعہ سے مربوط ہو بلکہ بیانیہ خود واقعہ کو تشکیل دیتا ہے۔اس طرح کہ اس پر خارجی / حقیقی واقعہ کا التباس ہوتا ہے اور اگر متن میں شامل واقعہ کا ربط خارج میں وقوع کسی واقعہ سے ہے تب بھی متن میں بیان کردہ واقعہ خارج میں وقوع حقیقی واقعہ کا بیان نہیں ہوتا بلکہ زبان کا تشکیل دیا ہوا واقعہ ہوتا ہے۔

اسی بنیاد پر نئے افسانے کی دوسری خصوصیت یہ تصور کی جاتی ہے کہ نیا افسانہ تاریخ کو افسانے کی طرح تیسری خصوصیت نئے افسانے کی یہ تصور کی جاتی ہے کہ موجودہ متن ماقبل/ ماضی میں موجود کسی متن سے استفادہ کر کے ایک نئے متن کی تشکیل کرتا ہے۔متن پر متن کا یہ طریقہ بین المتونیت کہلاتا ہے۔سریندر پرکاش نے ’’ بجو کا لکھ کر نئے اردو افسانے میں بین المتونیت کا آغاز کیا۔

عزیز احمد کا افسانہ مدن سینا اور صدیاں انہیں صفات کی نہایت عمدہ مثال ہے۔پروفیسر قاضی افضال حسین پنے مضمون ’’ اردو کا مابعد جدید افسانہ میں ’’مدن سینا اور صدیاں‘‘ کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ’’ما بعد جدید افسانہ کی اتنی خوبیاں اگر کسی متن میں یکجا ہوگئی ہوں تو وہ افسانہ صرف کہانی کی تشکیل نہیں کرتا بلکہ افسانے کے نظری(Theortical) تصورات کو عملی شکل دیتا معلوم ہوتا ہے۔‘‘ (۱)

ما بعد جدید کہانی کے متعلق قاضی افضال حسین لکھتے ہیں:

> ’’ما بعد جدید کہانی کا بنیادی مسئلہ معنی کی ترسیل نہیں بلکہ معنی کا طرز وجود (Ontology)ہے۔یعنی یہ کہ کسی متن کے معنی قائم کیسے ہوتے ہیں؟ اس لئے بیشتر مابعد جدید افسانے میں کہانی کے قیام کا عمل ، پیش منظر میں نمایاں رہتا ہے۔‘‘(۲)

مابعد جدید افسانہ کی یہ تمام نظریاتی خصوصیات آہستہ آہستہ اردو افسانے میں شامل ہو رہی ہیں۔اردو ادب میں بنیادی نظریاتی اساس کے عملی بیان کے افسانوں کی تعداد بہت کم ہیں کیوں کہ کسی بھی افسانہ نگار کا تخلیقی فن پارہ اس وقت تک مابعد جدید افسانے کی شعریات کا عملی مظہر نہیں ہو سکتا جب تک افسانہ نگاری کے فن پر غیر معمولی گرفت نہ ہو۔اس ضمن میں اردو کے چند افسانہ نگاروں کے نام عزیز احمد ، نیر مسعود، اسد محمد خاں، عبداللہ حسین ، مظہر الزماں اور خالد جاوید قابل ذکر ہیں۔ محمد منشایاد کی افسانہ نگاری کا آغاز روایتی افسانے سے ہوا۔اس کے بعد تشبیہاتی ، علامتی اور تجریدی تدبیر کاری کے تحت انھوں نے فرد کی پریشانی کو موضوع بنایا۔ان کے اولین افسانوی مجموعے بند مٹھی میں جگنو (۱۹۷۵ء) کے افسانے اسی دور کے یادگار ہیں۔

۱۹۷۵ء کے بعد شائع ہونے والے افسانوی مجموعوں ’’ماس اور مٹی‘‘، ’’خلا اندر خلا اور وقت سمندر کے افسانوں میں علامت نگاری کا رنگ غالب ہے۔اس کے علاوہ درخت آدمی دور کی آواز اور تماشا ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔محمد منشا یاد کے افسانوں کے موضوعات

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

میں تنوع پایا جاتا ہے۔جدید افسانے کے بعد اردوافسانے میں جو تبدیلیاں ہوئیں ان کا عکس ان کے افسانوں میں مل جاتا ہے۔افسانہ دو پہر اور جگنو سقوط ڈھاکہ کے پس منظر '' میں احساس شکست، خوف، دہشت کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔کہانی ''ریت اور پانی کا مرکزی کردار اپنی شناخت کھو چکا ہے۔اس کے اہل وعیال بھی اسے پہچاننے سے انکار کر دیتے ہیں۔وہ ایک عجیب بے بسی کے دور سے گزرتا ہے اور یادوں کے سائے میں عافیت محسوس کرتا ہے۔پروفیسر انوار احمد لکھتے ہیں:

> ''بطور افسانہ نگار اس کی انفرادیت تین حوالوں سے قوت حاصل کرتی ہے۔ایک اس کی معصوم دہقانیت، دوسرے پنجاب کے لوک گیتوں اور لوک دانش کارس اور بصیرت اور تیسرا افسانے کی روایت سے اس کی تخلیقی وابستگی۔'' (۳)

منشا یا داپنے افسانوں میں اسی معاشرے کی زبان استعمال کرتے ہیں جس معاشرے کی مٹی سے وہ اپنے کردار اور افسانے کی فضا تخلیق کرتے ہیں۔افسانے " تیرہواں کھمبا '' بند مٹی میں جگنو ، باگھ بکھلی رات، وقت سمندر لفظوں سے بچھڑا ہوا آدمی اور دیدہ یعقوب بہترین مثالیں ہیں۔

منشا یاد کا افسانہ ''سورج کے زخم آزاد تلازمہ خیال کی تکنیک میں لکھا گیا ہے۔اس افسانے کے ذریعہ یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کس قدر انسان اس دور میں معاشی و اقتصادی صورت حال سے ذہنی دباؤ میں مبتلا ہے۔منشا یاد کا مشاہدہ بہت عمیق تھا۔اس عمیق مشاہدے اور دردمند تخلیقی احساس نے سماجی نظام اور سرکاری پالیسی کے تضادات کو سہنے والی مخلوق کے کرب کو اپنے افسانوں کے ذریعہ محسوس کرایا ہے۔ بانجھ ہوا میں سانس''، ''ر کی ہوئی آوازیں، اوور ٹائم ''، ''انٹی دستک دنیا کا آخری بھوکا آدمی اور کہانی کی رات اس حوالے سے اہمیت کے حامل افسانے ہیں۔ ان کے افسانوں کے بارے میں مہدی جعفر لکھتے ہیں کہ:

> ''محمد منشا یاد نے انتہائی چابک دستی سے راستے بند ہیں اور رہائی'' لکھے ان کے یہاں قصہ گوئی کے دلچسپ انداز کے ساتھ محرومی حیات کا احساس ابھارنے اور اس میں طنز پیدا کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم ہے۔وہ خارجی دنیا کی اشیاء کے مقابل میں خرماں نفسی اور داخلی خواہشات اور ضروریات کا نقش ابھارتے ہیں۔فنی طور پر خارجی اور داخلی سطحیں تیل اور پانی کی طرح ہم آمیز نہیں ہوتیں۔محمد منشایاد کی تخلیقی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی بات کو دکھلا دینے (demonstration) کی سطح تک پہنچا دیتے ہیں۔'' (۴)

منشا یاد کے افسانے ''گھر سے باہر ایک دن''، ''شب فراق ، اپنا اپنا کاگ، زوال سے پہلے'' درخت آدمی دور کی آواز لفظوں سے بچھڑا ہوا آدمی قابل ذکر ہیں۔سید محمد اشرف نے تہذیب و تاریخ کے باہمی تعلق اور ہندوستانی پس منظر میں ان سے متعلق رونما ہونے والے واقعات و حادثات کو بڑی فنکاری سے اپنے افسانوں میں سمویا ہے۔سید محمد اشرف نے سماجی ، سیاسی اور معاشرتی مسائل کو دردمندی اور ہمدردی سے برتا ہے۔انھوں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق مسائل ، فرد کی محرومیوں، افلاس و استحصال، طبقاتی کش مکش ، سماجی بدعتوں اور انسانی رویوں پر خصوصی توجہ دی ہے۔قدروں کا زوال، تہذیبی بکھراؤ اور رشتوں کا ٹوٹا بکھرنا ان کے اہم موضوعات ہیں۔سید محمد اشرف اپنے افسانوں میں استعاروں اور علامتوں کے ذریعہ حقیقت کا راستہ استوار کرتے ہیں۔انھوں نے اپنے اظہار کے لئے اکثر جانوروں کو علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ان کے افسانوں میں مستعمل تمثیل اور استعارہ کا سیاق و سباق بہ آسانی گرفت میں آجاتا ہے۔ان مجازی وسائل کے استعمال کے سبب ان کے افسانوں میں ایک تہہ داری بھی پیدا ہو گئی ہے۔پروفیسر شافع قدوائی لکھتے ہیں کہ:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

"اشرف نے ایک ایسا اسلوب وضع کیا ہے جس کی اپیل تمام حواس کو اپنی گرفت (Multisensory) میں لے لیتی ہے۔یعنی ان کا بیانیہ ترقی پسند جدید افسانہ نگاروں کی طرح افقی نہیں بلکہ اس کی نوعیت دائروی ہے جس کی وساطت سے اشرف نے حواس خمسہ، باصرہ، سامعہ اور لامسہ کی بیک وقت خاطر خواہ مدارت کا اہتمام کیا ہے۔اشرف نے روزمرہ کے مانوس حقائق اور واقعات یا وقوعات کے بیان میں Improbable Elements داخل کیا ہے۔" (۵)

سید محمد اشرف کے افسانوں کا ایک مجموعہ ڈار سے بچھڑے ایک دوسرا مجموعہ " بادصبا کا انتظار اور ایک ناولٹ نمبر دار کا نیلا کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

اشرف کا افسانہ ڈار سے بچھڑے تقسیم کے موضوع پر لکھا گیا ہے۔یہ ایک علامتی افسانہ ہے۔اس افسانہ کے کردار بے بسی کی حالت میں نظر آتے ہیں۔افسانے میں ماضی کی یادوں سے ایک ایسا کردارا بھرتا ہے جو اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور ان سے وابستہ لمحات کو بھلا نہیں پاتا ہے۔ماضی کی یاد میں اسے اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ کر جانے کے لئے اکساتی ہیں اور وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پاتا۔

سید محمد اشرف جانوروں کو علامت بنا کر ان کے ذریعہ سے وہ انسانی نفسیات کا جائزہ لیتے ہیں۔ان کا فنی امتیاز یہ ہے کہ وہ انسانی نفسیات کو حیوان کی فطرت میں تلاش کرتے ہیں۔اس حوالے سے ان کا افسانہ لکڑ بگھا، قابل ذکر افسانہ ہے۔لکھڑ بگھا سیریز کے تمام افسانوں میں انسانی کمینگی کا بامعنی اظہار ملتا ہے۔سید محمد اشرف نے اپنے افسانوں میں خوف کی کیفیت کو بھی پیش کیا ہے۔اس حوالے سے ان کے افسانے آدمی اور روگ اہم ہیں۔افسانہ " آدمی میں روز مرہ کے زندگی کے تجربات کو پیش کیا گیا ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ آج کی دنیا میں خوف انسان کی زندگی کا مقدر ہے۔روگ بھی شکاری ماحول اور خوف و دہشت کے احساس پر مبنی ہے۔یہ افسانہ سیاسی جبر کی علامت بھی ہے۔سید محمد اشرف کے افسانوی مجموعے 'بادصبا کا انتظار میں کئی قابل توجہ افسانے ہیں۔اس مجموعہ میں شامل افسانہ "ساتھی میں انسانی رشتوں کی اہمیت اور زندگی کے مسائل کا ذکر بڑی خوبی سے پیش کیا گیا ہے۔سید محمد اشرف نے اس افسانے میں جس تانیثی آگہی کو پیش کیا ہے اس سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ ایک بیوی کس قدر اپنے شوہر کے جذبات و احساسات پر قدغن لگا سکتی ہے۔

افسانہ چمک گاؤں کے ایک غریب لوہار خاندان کی کہانی ہے۔یہ افسانہ نئی نسل کے آرام طلبی کو اجاگر کرتا ہے۔اس کے علاوہ' تلاش رنگ رائیگاں رنگوں کی جمالیات کے ساتھ رو داد دل کا خوش رنگ بیانیہ ہے۔تلاش رنگ رائیگاں اور اندھا اونٹ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ خود پسندی اور نرگسیت انسان کی شخصیت میں کیسی کیسی گرہیں ڈال دیتا ہے اور پھر کیسی پیچیدگی (Complexes) پیدا کرتی ہے۔اس کی تفصیل مکمل فنکارانہ شعور کے ساتھ ان افسانوں میں موجود ہے۔افسانہ اندھا اونٹ وقت کی اذیت ناکی کو منظر عام پر لاتا ہے۔بادصبا کا انتظار میں افسانہ نگار نے با دصبا کو استعارے کے طور پر استعمال کر کے تہذیب و ثقافت اور زبان کا ایک اہم جز بتایا ہے۔اس افسانے میں اردو کے المیے کو آوازوں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ان کی جزئیات نگاری ، منظر نگاری اور منظر کشی کا

حوالہ بھی آواز ہے۔سیدشرف نے روایت سے مکمل آگہی حاصل کی ہے اور قدیم موضوعات و اسالیب کو بھی نئے طرز و انداز سے ہم آمیز کر کے فنکارانہ روپ دے دیا ہے۔افسانے کی فضا سازی، استعارے اور علامت، مذہب، جنگلی جانوران کے فن کے ایسے عناصر ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ افسانہ نگار اپنے عہد کے فرد اور معاشرے کی زوال پذیری کا نباض ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مابعد جدید افسانہ نگاروں میں نیر مسعود کا نام منفرد حیثیت کا حامل ہے۔نیر مسعود کا پہلا افسانوی مجموعہ سیمیا ۱۹۸۴ء میں منظر عام پر آیا۔اس کے علاوہ ان کے تین افسانوی مجموعے " عطر کافور (۱۹۹۰ء)، ' طاؤس چمن کی مینا (۱۹۹۷ ء) اور ' گنجفہ (۲۰۰۸ء) منظر عام پر آچکے ہیں۔

افسانوی مجموعہ ''سیمیا میں کل پانچ افسانے شامل ہیں۔اس کے تمام افسانے ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔شروع سے آخر تک ایک طرح کا ربط ہے جیسے ایک شخص کی داستان ہے جو سلسلہ وار بڑھ رہی ہے۔ اس مجموعے کے افسانوں کے بارے میں پروفیسر قاضی افضال حسین لکھتے ہیں:

> ''نہ صرف یہ کہ کسی ایک افسانے کے تقریباً تمام جملے پورے متن سے گہرا ربط رکھتے ہیں بلکہ ایک افسانے کا واقعہ واہمہ یا ایک کردار یا بیشتر مناظر اور دوسری تفصیلات دوسرے افسانے سے حیرت انگیز طور پر مربوط ہیں اس سے صرف ایک افسانے کی نہیں بلکہ پورے متن کی ایک وضع (structure) تعمیر ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ نیر مسعود مفرد افسانوں کے نہیں بلکہ افسانوی مجموعوں کے افسانہ نگار ہیں۔'' (۶)

اس مجموعے کی کہانیاں اپنے اندر تہہ در تہہ معنویت کی حامل ہیں۔سیمیا کے تمام افسانوں کے کردار اپنی ذات کے ساتھ اسرار کی ایک دنیا بسائے ہوئے ہیں۔ان کی کہانیوں کے خوابناک فضا قاری کو فکر میں ڈال دیتی ہے۔نیر مسعود نے اپنے افسانوں میں صاف اور شفاف چیزوں پر دھند کی ہلکی سی چادر ڈال دی ہے جس سے اشیا کو اصل سے مختلف مگر زیادہ توجہ طلب بنا دیا ہے۔

''سیمیا کی کہانیاں اپنے دور کے سماجی و معاشی مسائل سے علیحدہ کر کے نہیں دیکھی جاسکتی ہیں۔'' ان کہانیوں میں ماضی کے تہذیبی احوال اور ان سے دلی تعلق محسوس ہوتا ہے۔افسانہ ''مسکن اور نصرت میں یہ پہلو زیادہ نمایاں ہے۔سیمیا کے افسانوں میں نیر مسعود نے واقعہ اور واہمہ کے صفات کو اس طرح ہم آمیز کیا ہے کہ اوجھل ، سیمیا ، عطر کافور، اکلٹ میوزیم'' اور '' شیشہ گھاٹ جیسے افسانوں کی بنیاد ہی واقعہ کے بجائے واہمہ پر استوار معلوم ہوتی ہے۔

''واہمہ بقول نیر مسعود غیر موجود میں موجود کا مشاہدہ یا موجود میں غیر موجود کی دریافت ہے۔''

معلوم کو نامعلوم اور موجود کو لا موجود بنانے کی کوشش نیر مسعود کا خاص فن ہے۔اس کی بہترین مثال ان کا افسانہ عطر کافور ہے۔

نیر مسعود کے افسانوں میں حقیقت نگاری اور واقعات نگاری کے بہترین عناصر ملتے ہیں۔وہ حقیقت نگاروں کے انداز میں اسے اپنے افسانوں میں نہیں برتتے بلکہ واقعے کو جزئیات کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔افسانے کو مختلف حصوں میں تقسیم کر واقعے کے مختلف پہلوؤں کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔

> ''غیر موجود کو موجود کی لفظیات میں (یعنی واہمہ / غیر مرئی کو، مرئی / واقعہ کی زبان میں) بیان کرنا نیر مسعود کا خاص فن ہے اور اس سلسلے کے تیسرے افسانے " عطر کافور میں نہایت فنی مہارت کے ساتھ برتا گیا ہے۔اس افسانے میں نیر مسعود نے اوجھل'' اور ''سیمیا کی طرح واقعہ پر واہمہ کو غالب کرنے کے بجائے خود واقعات اور کرداروں کے باہم ربط کو ایک غیر مرئی کافور کی خوشبو کے حوالے سے مرتب کیا گیا ہے۔''(۷)

نیر مسعود نے اپنے افسانوں (سیمیا، اکلٹ میوزیم، شیشہ گھاٹ، ند بہ، سلطان مظفر کا واقعہ نویس اور ساسان پنجم) کی فضا تاریخ تخیل ، خواب اور وا ہے کے ذریعے تشکیل دی ہے۔افسانہ ''سلطان مظفر کا واقعہ نویس، اور ایک دوسرا افسانہ ''ساسان پنجم کے واقعات تاریخی پس منظر میں بیان ہوئے ہیں۔

افسانہ ''ند بہ اپنے موضوع اور بیان کے اعتبار سے ایک منفرد افسانہ ہے۔اس افسانے میں راوی واحد متکلم یہ بیان کرتا ہے کہ اس کی ساری زندگی بے کار مشاغل میں گزرگئی ہے اور اب وہ اس وقت کو اس فکر میں گزارتا ہے کہ اس نے ان مشاغل سے کیا حاصل کیا اور یہ سب سے زیادہ بے حاصل مشغلہ ہے۔

نیر مسعود کے افسانوی مجموعہ '' طاؤس چمن کی مینا'' میں شامل دو افسانے اردو میں اپنی نوعیت کا منفر د تخلیقی تجربہ ہے۔پہلا افسانہ طاؤس چمن کی مینا ہے۔اس افسانے کی فضا قدیم لکھنؤ کی تہذیبی و تاریخی فضا ہے۔یہ افسانہ اپنے دلکش بیانیے کی وجہ سے ایک اعلیٰ پائے کا افسانہ ہے۔

دوسرا افسانہ '' نوشدارو'' ہے۔اس میں حکیموں کے نایاب نسخے اور ان کے بارے میں قدیم حکیموں کے طرز عمل کا بیان ہے۔لیکن اس افسانے کا موضوع یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اس دنیائے فانی میں اپنی موت کو ٹال نہیں سکتا چاہے خواہ وہ کتنا بڑا حکیم ہی کیوں نہ ہو۔ نیر مسعود کے افسانے کسی مخصوص زمان و مکان میں مقید نہیں کئے جا سکتے ہیں اس لئے کہ ان کے تمام افسانوی مجموعوں میں شامل افسانے صرف طاؤس چمن کی مینا کو چھوڑ کر کسی خاص زمانے یا کسی خاص مقام کا پتہ نہیں دیتے۔نیر مسعود اپنے مخصوص طرز اظہار کی وجہ سے معروف ہیں۔انھوں نے روایت کو تجربے میں سموتے ہوئے اپنا مخصوص اسلوب وضع کیا ہے۔پروفیسر قاضی افضال حسین نیر مسعود کی افسانہ نگاری کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''واقعہ کی جگہ واہمہ کی تفصیل سے بیانیہ کی تعمیر خود واقعہ کی پہلے محسوس میں تقلیب اور اکثر ایک مبہم غیر یقینی ، بڑی حد تک خارجی حوالوں سے بے نیاز اور بعض جگہ استبعادی زبان میں بیان، ان افسانوں کا راوی (صرف میں) اور اس کا مکمل غیر شخصی بیانیہ، نیر مسعود کے افسانوں کا وہ امتیاز ہے جن میں ان کا کوئی شریک نہیں۔''(۸)

سریندر پرکاش، بلراج مین را اور انور سجاد جدیدت کے نمائندہ افسانہ نگاروں میں تھے۔ایک خاص تصور ادب کے حوالے سے تخلیقی اظہار پر ان کی گرفت مثالی تھی۔ان افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں کے ذریعے نئی نسل کے افسانہ نگاروں کو بہت متاثر کیا۔اس نسل سے متاثر نئے لکھنے والوں میں ایک نام مظہر الزماں کا ہے۔

مظہر الزماں نے افسانہ نویسی کی ابتداء علامتی افسانوں سے کی لیکن ان کے افسانے واقعہ سے زیادہ فکر صورت حال یا اس سے منسوب کیفیت کی تشکیل کرتے ہیں۔پروفیسر قاضی افضال حسین لکھتے ہیں:

> ''در حقیقت علامتیں واقعہ کا بیان نہیں بلکہ واقعہ یا صورت حال سے وابستہ اس کیفیت کی تجسیم ہیں جو بہر حال ایک انفرادی تجربہ ہے اور تعبیر کی ایک سے زیادہ جہتوں کا حامل ہے۔اس لئے مین را، انور سجاد اور سریندر پرکاش کی کہانیاں واقعہ کے ذریعہ فکر صورت حال یا اس سے منسوب کیفیت کی تشکیل کرتی ہیں جس کے سبب واقعہ ثانوی اور فکر یا کیفیت افسانے میں مرکزی اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔مظہر الزماں کی کہانیاں تشکیل متن کی اسی مخصوص روایت کا تسلسل ہیں۔'' (۹)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

مظہر الزماں کی کہانیوں میں علامتیں ایک خاص انداز میں اپنا تاثر قائم کرتی ہیں۔انھوں نے دانستہ طور پر علامتوں کا استعمال کیا ہے اور ان میں معنی کی مختلف جہات پوشیدہ چھوڑ دی ہیں۔مظہر الزماں خان نے اپنی کہانیوں میں متبلی انداز کو خوبصورت پیرایے میں بیان کیا ہے لیکن علامتوں کی وجہ سے یہ افسانے پیچیدہ یا لا یعنی نہیں ہو جاتے۔ان کی کہانیوں میں فرد کے نفسیاتی مسائل کو اظہار کے ساتھ انسانوں کے اجتماعی کرب، ان کی زندگی کے مسائل اور احساسات کا بیان ملتا ہے۔بعض کہانیوں میں پوری انسانیت کا انتشار وزوال مرکزی خیال کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

افسانوی مجموعہ " ہارا ہوا پرندہ میں شامل افسانے ''ہارا ہوا پرندہ صلیب پر ٹنگا سمندر اور پہلا اور آخری آدمی ایک صورت حال یا کیفیت کے افسانے ہیں جس میں افسانہ نگار واقعہ کی تعبیر نہیں بلکہ ایک صورت حال کو تشکیل دیتا ہے۔افسانہ ''ہارا ہوا پرندہ ایک ایسے بھٹکے ہوئے پرندے کی صورت حال کا بیان ہے جو ایک گھنے جنگل کے اندھیرے میں قید ہے لیکن اس پرندے کے ذہن میں روشنی کی ایک رمق ہے جو اسے یقین دلاتی ہے کہ وہ کوشش کرے تو اس اندھیرے جنگل سے نکلنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔اپنی تمام کوششوں کے باوجود وہ جنگل سے نہیں نکل پاتا ہے۔بالآخر اس اندھیرے جنگل کے درختوں کی مانند اپنی موجودہ صورت حال سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ ایک عرصے کے بعد کہیں کوئی روشنی کی جھلک نظر آتی ہے تو اس کی آنکھیں چندھیاں جاتی ہیں اور وہ اس روشنی سے خائف ہو جاتا ہے اور اسی جنگل کا حصہ بن جاتا ہے۔

یہ افسانہ در اصل ایک آدمی کے حو صلے ، اس کے آرزوؤں اور نصب العین کے زوال کی کامیاب تمثیل ہے۔اسی طرح '' صلیب پر ٹنگا ہوا سمندر'' اور '' پہلا اور آخری آدمی بھی کسی ایک واقعہ یا واقعات کے سلسلے کا بیان نہیں بلکہ ایک صورت حال کی تمثیل ہیں جو اس مجموعے کی مذکورہ تین کہانیوں کا امتیاز ہے۔افسانہ '' گلدار مظہر الزماں خان کا ایک شاہکار افسانہ ہے۔' گلدار' ایک تمثیلی کہانی ہے۔ افسانے میں چیتا ایک استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔افسانے میں ایک گھر میں پلا ہوا چیتا دراصل عرب ممالک میں امریکا کا عمل دخل ہے۔اس افسانے کی سیاسی جہت بالکل سطح پر نمایاں ہو گئی ہے۔

وقت کی ماہیت کو بیان کرنا شاید ممکن نہیں لیکن اس کے صفات اور اثرات کو تحریری شکل دینا ممکن ہے۔مظہر الزماں خان نے اپنے متعد د افسانوں میں وقت کو تشبیہات کے ایک سلسلے کی مدد سے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔افسانہ گلدار کا اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''آپ ٹھیک کہتے ہیں میرے دوست سعید بن سعد نے کہا کہ ہر چیز وقت کی مٹھی میں قید ہے کہ وقت سمندروں کی موجوں کی سانسوں کا مسلسل سلسلہ ہے کہ وقت ہواؤں کے جسموں کی لگا تار حرکتوں کا سفر ہے کہ وقت سیاروں کی آنکھوں میں پوشیدہ تصویر ہے کہ وقت موسموں کی تیز تر تمام تر آہٹوں کا چہرہ ہے کہ وقت پھولتی سکڑتی اور اتراتی چڑھتی ہوئی سانسوں کا آخری منظر ہے کہ وقت متواتر بے تکان اور بے سمت دوڑتے ہوئے ان گنت گھوڑوں کا نامکمل خواب ہے کہ وقت مسلسل اگتے اور ٹوٹتے ہوئے درختوں کا گھنا جنگل ہے کہ وقت چکراتی ، گھومتی اور غبار بنتی ہوئی ہواؤں کا بے قرار جسم ہے۔'' (۱۰)

افسانہ " پرندوں کے ساتھ ایک دن میں بھی وقت کی تشبیہات کو مظہر الزماں نے فنکاری کے ساتھ پیش کیا ہے۔وقت کے لئے Signifier'sکا یہ سلسلہ ایک کیفیت کی تجسیم ہے۔وقت اور واقعات کو سمجھنے اور بیان کرنے کا یہ مظہر الزماں کا اپنا طریقہ ہے جو انھیں سے مخصوص ہے۔افسانہ پرندوں کے ساتھ ایک دن میں مظہر الزماں خان نے وقت کی طرح تنہائی کی کیفیت کوSignifiers کے ایک سلسلے کی مدد سے بیان کیاہے جس میں اس کیفیت کی مکمل تقسیم نظر آتی ہے۔پہلے مجموعے کے بعد مظہر الزماں کی تخلیقی فکر

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

کا دائرہ وسیع ہوا ہے۔ان کہانیوں میں پوری انسانیت کا انتشار و زوال مرکزی خیال کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔اس حوالے سے دوسرے مجموعے ''دستکوں کا ہتھیلیوں سے نکل جانا کے افسانے لفٹ نئی طلسم ہوش ربا کی کہانی '' خواب جو تعبیر چاہتا ہے اور دستکوں کا ہتھیلیوں سے نکل جانا'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

شورہ پشتوں کی آماجگاہ'' میں شامل افسانہ '' آسمان'' اور ''بہاؤ، مظہر الزماں خان کے قابل ذکر افسانے ہیں۔ان افسانوں میں بھی ان کا فکری دائرہ بہت وسیع ہے۔ان افسانوں میں انسانیت کے انتشار وزوال کو مرکزی خیال کی حیثیت حاصل ہے۔افسانہ '' آسمان'' میں افسانہ نگار واقعہ کو افسانہ بنانے کے مقابلے میں انسانی تاریخ رقم کرنے سے دلچسپی رکھتا ہے۔مختصر افسانے میں معاشرہ کی تاریخ رقم کرنا اور اس کے ساتھ ہی فن کے تقاضوں کوملحوظ رکھنا ایک مشکل عمل ہے جس میں مظہر الزماں اکثر کامیاب معلوم ہوتے ہیں۔

ان افسانوں کے علاوہ چیونٹی شب پوش مکان پر آخری بانگ لفٹ آخری مقدمہ زمین اے زمین، ''آخری رنگ اور آخری پینٹنگ وغیرہ ان کے قابل ذکر افسانے ہیں۔

خالد جاوید کا شمار ۱۹۸۰ء کے بعد نمایاں ہونے والے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ان کا پہلا افسانہ برے موسم میں، ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا اور پہلا افسانوی مجموعہ اسی عنوان سے ۲۰۰۰ء میں منظر عام پر آیا۔اس کے علاوہ ان کا ایک دوسرا افسانوی مجموعہ ''آخری دعوت اور ایک ناولٹ '' موت کی کتاب'' منظر عام پر آچکے ہیں۔خالد جاوید کو افسانے کے فن پر قدرت حاصل ہے۔ان کے افسانوں میں طوالت کے باوجود بھی تخلیقی فضا قائم رہتی ہے۔ان کے افسانوں میں وجودی تجربات و تصورات کا اظہار بالکل نئے حوالوں سے ہوا ہے۔خالد جاوید کے زیادہ تر افسانوں کے موضوعات وجودی ہیں۔پہلا مجموعہ '' برے موسم میں'' میں شامل آٹھ کہانیاں انسان کی ذات / وجود اور کائنات کے تصادم کے مرکزی حوالے کے گرد تشکیل دی گئی ہیں۔اس مجموعہ کا پہلا افسانہ ''عکس نا آفریدہ میں انسان کی ذات سے متعلق وجودی مسائل (تنہائی، بے گانگی اور اجنبیت) کا بیان ہے۔افسانے کا مرکزی کردار جو بیمار ہے ایک معمولی شک کی بنا پر اپنی بیوی سے بدگمان ہوکر خود کو تنہا محسوس کرنے لگتا ہے بلکہ دونوں کے درمیان ایک اجنبیت سی پیدا ہو جاتی ہے۔افسانے کے آخر میں مرکزی کردار اپنے وجود کی جانب رجوع کرتا ہے۔افسانے میں یہ بیان ہوا ہے کہ انسان کا زندگی میں کوئی عمل دخل نہیں ہے ۔وہ کسی بھی چیز کے لئے قصور وار نہیں بلکہ قصور اس کے آس پاس پھیلی ہوئی زندگی کا ہے جو ا سے ان تمام مسائل سے دو چار کرتی ہے۔افسانے کا راوی سوچتا ہے:

> ''اب اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کس روپ میں کتنا خالص اور کتنا اصل ہے۔
> سب کچھ فانی ہے اور کسی بھی خواہش یا آرزو کے معنی ہی کیا ہیں؟ ہم صرف اپنے
> گناہوں کا اقرار کر سکتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔'' (۱۱)

افسانہ اکتایا ہوا آدمی ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو اپنی زندگی کے ہرلمحہ میں اپنے وجود کی تکمیل کی کوشش کرتا ہے۔وہ معاشرے سے خود کو ملا کر رکھنا چاہتا ہے لیکن اس کی ذات/ اس کی نفسیات میں نہ جانے کس غیر مرئی شئے کی کمی رہتی ہے کہ وہ ہر جگہ سے اکتا جاتا ہے اور آخر تک اپنی وجود کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔خالد جاوید کے افسانوں میں واقعہ سے زیادہ سوچ اور فکر کا بیان ملتا ہے۔خالد واقعہ سے زیادہ کردار کی سوچ اور اس کی فکر پر توجہ دیتے ہیں۔اسی وجہ سے افسانے میں افسانہ نگار بیانیہ سے زیادہ ذہنی اور جذباتی صورت حال کے بیان سے کام لیتا ہے۔یہاں خالد جاوید کے دو افسانوں کو بڑ اور پیٹ کی طرف مڑے ہوئے گٹھے کے اقتباس مثال کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

"ذلت اور شرمندگی کا کیا ؟ اس نے پھر سوچا۔وہ تو انسان کا ازلی مقدر ہے۔ شاید سب انسان کہیں نہ کہیں ذلیل ہوتے ہیں شرمندہ ہوتے ہیں۔" (۱۲)

"اسی رات سے پہلے اس نے شاید کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اسے معاف بھی کیا جاسکتا ہے۔اس جرم کے لئے معاف کیا جاسکتا ہے جس سے وہ واقف ہی نہ تھا۔مگر آخر وہ کس جرم کے لئے خود کو معافی دلانا چاہتا تھا؟ اسے اپنا جرم نہیں معلوم تھا لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ تم اپنے جرم سے واقف ہو یا نہیں۔اصل بات یہ ہے کہ وہ تمہیں مجرم سمجھتے ہیں کیونکہ تمھاری آنکھیں، ہونٹ، کھوپڑی کی بناوٹ اور رخساروں کی ہڈیاں سب کچھ قاتل کی طرح ہیں۔اور تم مجرم کی طرح چوکنے بھی نظر آتے ہو بس اتنا کافی ہے۔"(۱۳)

اب افسانہ پیٹ کی طرف مڑے ہوئے گھٹنے کا اقتباس ملاحظہ ہو

" جس میں واقعہ سے زیادہ افکار کا بیان وہ بے حس ویرانہ اب ایک اجاڑ ٹیلہ بن چکا تھا جسے عبور کرنا ممکن نہ تھا۔آج سوچتا ہوں کہ اگر اس شام بیوی نے مجھ سے سر دگھر یلو اور اکتائے ہوئے لہجے میں بات نہ کی ہوتی تو شاید یہ کہانی آج میں آپ کو نہ سنا رہا ہوتا (شاید، شاید نہیں) "(۱۴)

افسانہ کو بڑ اور پیٹ کی طرف مڑے ہوئے گھٹنے فنی اور فکری دونوں لحاظ سے قابل ذکر افسانے ہیں۔کو بڑ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جس کا وجود اپنے ہونے کے کرب سے وابستہ ہے۔وہ ساری زندگی اپنے وجود کی تکمیل کے احساس میں گزار دیتا ہے جو اسے نہیں ملتا۔ساری زندگی ذلت ورسوائی کا سامنا کرتا اور لوگوں کو ان کی زیادتیوں کے لئے معاف کرتا رہتا ہے۔کہ معاف کرنے کے علاوہ اس کے لئے اور کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں۔یہ اپنے ظاہر اور باطن میں ٹوٹتا ہوا آدمی اپنی تکمیل کی خواہش میں مذہب کی جانب رجوع کرتا ہے۔افسانہ " پیٹ کی طرف مڑے ہوئے گھٹنے بھی ایک وجودی افسانہ ہے۔خالد جاوید نے اس افسانے کو روایتی قصہ گوئی کے طرز پر لکھا ہے۔جس طرح قصہ گو کہانی سناتا ہے ، خالد جاوید نے بھی افسانہ لکھنے کے بجائے سنانے کی کوشش کی ہے۔یہ افسانہ بظاہر ایک فرد کے تین عورتوں سے تعلق سے مرتب کیا گیا پلاٹ ہے لیکن اس کے ذریعہ انسان کے وجود کے کرب کو پیش کیا ہے۔

افسانے میں تین عورتوں سے مرکزی کردار کے تعلقات کی نوعیت بیان کی گئی ہے۔ان تینوں عورتوں سے محبت کے نام پر منافقت قدر مشترک ہے۔اس افسانے میں افسانہ نگار خالد جاوید نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ازل سے ہی انسان اپنے وجود کی تکمیل کی خواہش میں سرگرداں مگر نا کام اپنی بیکراں تنہائی میں اپنے گھٹنے پیٹ کی طرف موڑے ہوئے ہے۔مذکورہ ان دونوں افسانوں میں وجود کا کرب، لا تعلق، بے گانگی اور تنہائی کا احساس یہ تمام وجودی مسائل نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

افسانہ "برے موسم میں ایک مفلس گھرانے کی روایتی کہانی ہے۔یہ افسانہ اپنے آپ کو منحوس ، بیکار سمجھنے والے شخص کی منفی نفسیات کی داستان ہے جو بے روزگار ، غربت اور پریشان حال ہے۔خالد جاوید کا یہ افسانہ بھی وجودی فکر کی اساس پر تشکیل دیا گیا ہے۔

افسانہ "آخری دعوت بھی ایک وجودی افسانہ ہے۔اس میں زندگی اور موت کی از لی کشمکش، انسان کے

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

وجود کا کرب، بے گانگی ، لا تعلقی وغیرہ کا بیان ہے۔ افسانہ " سائے میں تہذیبی فشار اور اپنے وطن سے دور رہنے والے شخص کا دوبارہ اپنے وطن واپس اس کی ہر چیز میں اپنے وجود کو تلاش کرنے کا بیان ہے۔

اسی طرح روح میں دانت کا درد جلتے ہوئے جنگل کی روشنی " تفریح کی ایک دو پہر مٹی کا تعاقب اور قدموں کا نوحہ گر میں فکر کو واقعہ میں منقلب کرنے کے نہایت کامیاب تجربے کئے گئے ہیں۔خالد جاوید نے اپنے افسانوں میں انسان کی ذات / وجود اور وجودی مسائل کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ان کے افسانوں کی خوبی یہ ہے کہ وہ واقعہ کے بیان سے زیادہ کرداروں کے ذہنی و جذباتی صورت حال کا بیان کرتے ہیں اور کردار کی سوچ اور فکر پر توجہ دیتے ہیں۔وہ واقعہ کے درمیان میں فلسفہ بھی بیان کرتے ہیں۔خالد جاوید کے افسانوں میں متن در متن کی تکنیک کی وجہ سے افسانے طویل تو ہو جاتے ہیں لیکن طوالت کے باوجود افسانے کے فن پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ وارث علوی ، خالد جاوید کی افسانہ نگاری کے متعلق لکھتے ہیں:

> "ہیت کا نستعلیق حسن خالد جاوید کے ہرافسانے کا وصف ہے۔زبان و بیان پر انہیں غیر معمولی قدرت حاصل ہے۔گھر گلی ، کونے کھدرے اور دل و دماغ کے تاریک گوشوں میں بھی افسانہ نگار کی نگاہ بخیل پہنچ جاتی ہے اور اس کے پیچھے پیچھے زبان بھی زنبیل لے کر باریک سے باریک جزئیات ،لطیف کے بنانے کے لئے حاضر ہو جاتی ہے۔"(۱۵)

سے لطیف احساس کو الفاظ کا اردو افسانے کی ایک صدی مکمل ہو چکی ہے۔اس ایک صدی میں اردو افسانہ نے اپنے ارتقاء کے مختلف منازل طے کئے ہیں۔دسمبر ۱۹۰۳ء میں راشد الخیری نے افسانہ نصیر اور خدیجہ " لکھ کر اردو افسانے کا آغاز کیا۔ان کے افسانے خواتین کی تعلیم اور تہذیب اور ادبی ، تمدنی، تہذیبی روایات کے تحفظ کی کوشش معلوم ہوتے ہیں۔اس کوشش میں ان کا مخصوص مصلحانہ رنگ نمایاں اور گہرا ہوتا گیا ہے۔اردو افسانے میں منشی پریم چند کا نام ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ابتداء میں کچھ مثالیت پسند افسانوں کا تجربہ کرنے کے بعد منشی جی نے حقیقت نگاری کا راستہ اختیار کیا۔اپنی حقیقت نگاری کے ذریعہ منشی جی نے اردو افسانے کو روزانہ کی زندگی کے حقیقی تجربات سے جوڑ دیا۔منشی جی کی حقیقت پسند افسانہ نگاری کی روایت دیر تک مقبول رہی بلکہ آج بھی ان کی جاری کردہ حقیقت پسند افسانے کی روایت مقبول ہے۔

منشی پریم چند کے زمانے ہی میں سجاد حیدر یلدرم (۱۸۸۰ ء - ۱۹۴۳ء) نے رومانی افسانوں کی داغ بیل ڈالی اور یہ افسانے ایک متوازی رجحان کی طرح نیاز فتح پوری (۱۸۸۴ء-۱۹۶۶ ء) اور مجنوں گورکھپوری (۱۹۰۴ء - ۱۹۸۸ء) جیسے افسانہ نگاروں کے یہاں جاری رہا۔

۱۹۳۰ء سے افسانے کا عہد زریں شروع ہوتا ہے۔اس زمانے میں سعادت حسن منٹو (۱۹۱۲ء-۱۹۵۵ء) راجندر سنگھ بیدی، کرشن چندر (۱۹۱۳ ء -۱۹۷۷ء)، عصمت چغتائی (۱۹۱۵ ء -۱۹۹۱ء) اور دوسرے بہت سے (۱۹۱۵ء-۱۹۹۱ء) افسانہ نگاروں نے اردو کے بہترین افسانے تخلیق کئے۔

۱۹۳۵ء میں ترقی پسند ادبی تحریک کی باقاعدہ بنیاد پڑنے کے بعد افسانے کے تصور میں تبدیلیاں شروع ہوئیں۔رومانیت کا اثر کم ہونے لگا انسانی و سماجی مسائل کے ادراک اور ان کے حل کو افسانے میں پیش کیا جانے لگا۔ہیئت اور آرائش کے بجائے خیال اور مضمون کی جانب زیادہ توجہ دی گئی۔اس دور میں افسانہ نگاروں کی ایک کثیر تعداد ابھر کر سامنے آئی۔ترقی پسند افسانے کا رجحان ۱۹۳۶ء سے لے کر ہندوستان کی آزادی کے بعد تک غالب رہا۔لیکن ساتھ ہی ساتھ تہذیبی عکاسی ، ماضی کی بازیافت اور اساطیر کا ایک متوازی رجحان بھی ہمارے کچھ افسانہ نگاروں کے یہاں جاری رہا۔ان میں دو معتبر نام قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین کے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

۱۹۶۰ء کے آس پاس افسانے میں نئے تجربات کا آغاز ہوا۔افسانہ نگاروں کی ایک نئی نسل علامتی اور تمثیلی کہانیاں لکھنے لگیں۔ان کہانیوں نے افسانے کی تعریف، ہیئت، اوصاف اور مزاج پر گہرا اثر ڈالا۔اس دور کے افسانہ نگاروں نے حقیقت نگاری ، ترقی پسند، وجودیت، سر ریلزم اور علامت نگاری کے تجربات سے کسب فیض کیا اور اپنے لئے تخلیق افسانہ کی نئی راہیں نکالیں۔ان میں انور سجاد، بلراج مین را ، سر بیندر پر کاش اور خالدہ حسین کے نام قابل ذکر ہیں۔

۱۹۸۰ء کے بعد جدید علامتی افسانوں کا زور کم ہوا تو افسانے میں دوبارہ سیدھے بیانیہ کی واپسی ہوئی۔کردار اور واقعہ ہموار بیانیے کے ذریعہ تشکیل دیئے جانے لگے۔تجربات اور احساسات کے ساتھ واقعات کو بھی افسانے میں جگہ ملی اور واقعات کے درمیان واضح ربط کو اہمیت دی جانے لگی۔ان نئے لکھنے والوں میں منشا یاد، سید محمد اشرف، اقبال مجید قابل ذکر ہیں۔ان کے متوازی بیانیہ کے بعض اہم تجربات بھی سامنے آئے۔ان میں سب سے اہم نام نیر مسعود کا ہے۔

جنھوں نے افسانے میں حقیقت نگاری کے تصور کو بالکل نئی جہت دے دی ہے۔ان کے افسانوں میں انتہائی حیرت انگیز واقعات بھی خود ان کے بیان کے مطابق بالکل بچے ہیں لیکن انھوں نے افسانے کی عام روش کے خلاف واہمہ'' کی شکل میں بیان کیا۔خالد جاوید اور مظہر الزماں خان اب بھی علامتی و تمثیلی کہانیاں لکھ رہے ہیں۔ان نئے لکھنے والوں نے بعض بہت اچھی کہانیاں لکھی ہیں۔ان تمام افسانہ نگاروں نے اپنے اپنے طور پر اردو افسانے میں نئے نئے تجربے کئے اور اسے ایک نئی جہت عطا کی۔ان کی افسانہ نگاری کا سفر ابھی بھی جاری ہے اور اردو افسانے میں روز بروز نت نئے تجربات کا

اضافہ ہورہا ہے۔

حوالہ جات

۱۔رسالہ تنقید ، علی گڑھ ، جون ۲۰۰۵ ء ،ص:۱۵۳-۱۵۲

۲۔قاضی افضال حسین تحر یر اساس تنقید ، ۲۰۰۹ء ، ص: ۲۰۸

۳۔پروفیسرانوار احمد : اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ۲۰۰۷ء ، ص: ۷۰۶

۴۔گوپی چند نارنگ : بیسویں صدی میں اردو ادب، ساہتیہ اکادمی نئی دہلی ۲۰۰۲ء ،ص:۱۸۴

۵۔پروفیسر شافع قدوائی فکشن مطالعات پس ساختیاتی تناظر، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی ،۲۰۱۰ء، ص: ۱۴۹

۶۔نیر مسعود کا افسانہ، مشمولہ مجلہ کہانی گھر، جنوری تا مارچ ۲۰۱۲، ص: ۱۱۲

۷۔کتابی سلسلہ مجلہ کہانی گھر ، ترتیب: زاہد حسن ، جنوری تا مارچ ، کراچی ۲۰۱۲ء ، ص: ۹۸

۸۔ایضاً، ص:۱۱۹

۹۔رسالہ بزم سہا را، مدیر: حقانی القاسمی ، اپریل ۲۰۱۲ء ، ص: ۱۳

۱۰۔افسانہ گلدار مشمولہ افسانوی مجموعہ دستکوں کا ہتھیلیوں سے نکل جانا، از مظہر الزماں خاں، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی ۱۹۹۹ء ص: ۲۹ - ۲۸

۱۱۔افسانہ عکس نا آفریدہ، مشمولہ مجموعہ برے موسم میں، از خالد جاوید، ایڈ شاٹ پبلی کیشنز ممبئی ۲۰۰۰ ء ،ص:۲۶

۱۲۔افسانہ کو بڑی مشمولہ مجموعہ برے موسم میں ۲۰۰۰ ، ص: ۱۶۰

۱۳۔ایضاً، ص: ۱۵۹-۱۵۴

۱۴۔افسانہ پیٹ کی طرف مڑے ہوئے گھٹنے ، مشمولہ مجموعہ برے موسم میں ۲۰۰۰ء ، ص: ۱۳۳

۱۵۔رسالہ آج کل، افسانہ نمبر ، فروری ۲۰۰۹، ص: ۵۸